علّامہ ابنِ قیّم ؒ

جناب پروفیسر طیّب شاہین لودھی

(۲)

تصوّف اور ابنِ قیّم ؒ قرونِ اولیٰ میں تصوّف ایک علیحدہ ادارے کی حیثیت سے معروف نہ تھا۔ تاہم سلف احسان کے زمرے میں اسلامی عبادات کی رُوح کی کامل رعایت ملحوظ رکھتے تھے۔ لیکن تزکیۂ نفس کے ان تمام طریقوں سے اجتناب کرتے تھے جو مشکوٰۃ نبوّت سے ماخوذ نہ تھے۔ انہوں نے اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ یہ اہتمام کیا کہ فقر و زہد کے ضمن میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جو اقوال و ارشادات اُن کے پاس پہنچے، اُن کو کتابی صورت میں جمع کر لیا۔ جیسے امام احمدؒ کی "کتابُ الزُہد" وغیرہ۔ انہوں نے متاخرین کی طرح تزکیۂ نفس کے لیے کسی علیحدہ طریقِ کار کی کبھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کیونکہ شارع نے کوئی حکم دیتے وقت اُس کی اصل رُوح کو ہمیشہ مدِّنظر رکھا ہے۔ اسلام کے ظاہری اعمال اپنے رُوحانی تقاضوں کے ساتھ کچھ اس طرح ملے جُلے ہیں کہ اُن کو اپنی رُوح سے علیحدہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ درحقیقت اعمال کی یہ ظاہری شکل و صورت جو ہمیں نظر آتی ہے اُس رُوح کا پیرایہ ہے، جسے شارع مومن کی سیرت و کردار میں اجاگر کرنا چاہتا ہے۔ متقدمین اسی رُوح کی تفہیم کو احسان اور تزکیۂ نفس کا نام دیتے ہیں۔ یہی حقیقتِ اسلام ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السّلام کی بعثت کا مقصد بھی یہی تھا۔ لہٰذا قرونِ اُولیٰ کے علما تصوف کے نام تک سے واقف نہ تھے۔ قرونِ اُولیٰ کے علماء محض رضائے الٰہی کو منتہا و مقصود سمجھتے تھے۔ اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اعمال کی ظاہری شکل و صورت سے زیادہ اہمیت حقائقِ ایمانی کو حاصل

ہے۔ بس ظاہری اعمال کے ساتھ حقائق ایمانی کا کارفرما ہونا ہی تزکیۂ نفس یا احسان ہے۔

عجمی افکار اور یونانی فلسفے کی یلغار نے مسلمانوں میں اس تصوّر کو اُبھارا کہ اسلام کے ظاہری اعمال نجاتِ ابدی کے لیے کافی نہیں۔ تب نجات کی تلاش میں مختلف اوراد و وظائف اور بے شمار ریاضتیں وضع کرلی گئیں۔ عیسائی راہبوں نے یہ خیال پھیلایا کہ اسلام جس خدا کا تصوّر دیتا ہے وہ سخت، جابر، منتقم، قاہر اور غیظ و غضب کا مالک ہے۔ اس کا تصوّرِ ثواب و عذاب ایک مہربان اور رحیم خدا سے بہت ہی فروتر ہے۔ انہوں نے مسلسل پروپیگنڈے کے ذریعے اسلام کے الوہیّت کے نہایت ہی متوازن تصوّر کو دھندلا کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے عمل سے عاری یہ تصوّر دیا کہ بس ثواب و عقاب سے بالاتر ہو کر خدا سے محبت کرنی چاہیے۔ تب ایک محبت بھرے خدا کی تلاش ہوئی جو صرف غاروں اور جنگلوں ہی میں مل سکتا تھا۔ اور تب موضوع روایات کا طومار باندھ دیا گیا۔ الوہیت سے متعلق "نظریۂ جبر" جو کہ الٰہیات میں ایک بہت قدیم نظریہ تھا اور گمراہ کن شکل اختیار کرگیا۔ ایک بار پھر دلیل کے ہتھیار سے مسلح ہو کر حملہ آور ہوا۔ تب انسان حالات کے سامنے مجبور ٹھہرا اور اپنے آپ کو حالات کے حوالے کرکے "توکل" کر لینا ہی اسلام ٹھہرا۔ متصوفین نے بعض اصطلاحیں بھی ایجاد کرلیں جن سے قرآن و سنّت قطعاً ناآشنا تھے۔ اپنی ان اصطلاحوں اور ان کے پردے میں چھپے ہوئے گمراہ کن نظریات کو درست ثابت کرنے کے لیے یہ بات پھیلائی کہ نصوص کی دو تعبیریں ہوتی ہیں۔ ایک تعبیر عوام کی اور ایک تعبیر اہلِ حکمت و دانش یعنی خواص کی۔ اور وہ اپنے سوا سب کو عوام میں شمار کرتے تھے۔ ان کے نزدیک "خواص" "حقیقت" تک پہنچنے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے بعد امر و نہی سے مستثنیٰ ہوجاتے ہیں۔ بعض حضرات نے دعوےٰ کیا کہ ولایت نبوت سے اعلیٰ ہے۔ بعض نے خاتم الاولیا ہونے کا دعویٰ کیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ تمام انبیا مشکوٰۃِ ولایت سے علوم حاصل کرتے ہیں۔ بعض نے وحدتِ وجود کا نظریہ پیش کیا۔ ہمیں یہ تمام نظریات، سُکر و صحو اور فنا وغیرہ کی اصطلاحیں متقدمین کے ملفوظات میں ڈھونڈنے سے بھی نہ ملیں گی۔ انہی اصطلاحوں پہ ابن قیمؒ کے عصر میں تصوّرِ نجات کی پوری عمارت کھڑی تھی۔ غالباً امام ابن حزم اندلسیؒ[۱] رحمۃ اللہ علیہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے

---

[۱] پورا نام ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزمؒ ہے۔ ۳۸۴ھ میں ولادت ہوئی۔ اکثر علماء (باقی برصفحہ آئندہ)

متصوفین اور تصوف پر تنقید کی ہے۔ تاہم بقول پروفیسر ابوزہرہ مرحوم ابن حزم کے زمانے میں اندلس پر تصوّف کا غلبہ نہ ہونے کی وجہ سے اُن کی تنقید سخت نہ تھی۔ لیکن ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے اپنے دور میں تصوّف پر بھرپور اور مدلّل انداز میں تنقید کی۔ قرآن اور سنت کی میزان پر تصوّف کے نظریات کو تولا اور ان باطل غیر اسلامی اور عجمی نظریات کی نشاندہی کی جو تصوّف کے دروازے سے گھس آئے تھے۔

ابن قیمؒ رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت متوازن طریقے سے تصوّف کے نظریات کو پرکھا اور ان کا تجزیہ کیا۔ اُن کی کتاب "مدارج السالکین" اس موضوع پر نہایت ہی قابل قدر کتاب ہے۔ یہ کتاب دراصل شیخ الاسلام ابواسماعیل ہرویؒ[1] کی مشہور کتاب "منازل السائرین" کی مفصّل شرح ہے۔ شیخ الاسلام

(حاشیہ صفحہ سابقہ) کے نزدیک وہ فارسی الاصل تھے اور امویوں سے اُن کا ولاء کا رشتہ تھا۔ بڑے ذہین شخص تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے مالکی فقہ کا مطالعہ کیا، پھر شافعی فقہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ مگر اپنی آزادیٔ طبع کی بناء پر شافعی فقہ میں بھی محصور نہ ہو سکے۔ فقہ شافعی کی دراست کے دوران حنفی فقہ سے بھی متعارف ہوئے۔ پھر وہ داؤد ظاہریؒ کی فقہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور آخر انہوں نے اپنے لیے یہی منہاج منتخب کر لی۔ وہ کسی مذہب کے پیرو نہ تھے۔ اجتہاد کرتے تھے۔ انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں "المحلّٰی" "الاحکام فی اصول الاحکام" اور "الملل والنحل" بہت مشہور ہیں۔ ان کی بہت سی کتابیں طبع ہو کر داد و تحسین وصول کر چکی ہیں۔ ۴۵۶ھ میں وفات پائی۔

۱ (حاشیہ صفحہ ہذا) شیخ الاسلام ابواسماعیل عبداللہ بن محمد بن علی انصاری ہرویؒ کا سلسلہ نسب حضرت ابوایوب انصاریؓ سے جا کر ملتا ہے۔ ۳۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ہرات اور نیشاپور میں تعلیم حاصل کی۔ فقہ و کلام میں سلفی المسلک تھے۔ بڑے عابد، زاہد، عارف باللہ صاحب احوال و مقامات اور صاحب کرامات و مجاہدات تھے۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں "ذم الکلام" "الفاروق" "مناقب الامام احمد" اور "منازل السائرین" مشہور ہیں۔ سنت پر بڑی سختی سے پابند تھے۔ منازل السائرین کی شرح ابن قیم کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء نے کی ہے۔ منازل السائرین میں بعض مقامات پر بعض لوگوں کو کچھ غلط فہمی لاحق ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ شیخ انصاریؒ کو اتحادیہ کے نظریات کا حامل قرار دیتے ہیں۔ علامہ ابن رجبؒ اور علامہ ابن قیمؒ نے سختی سے اُن کے اس دعویٰ کی تردید کی ہے۔ شیخ الاسلام شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے بعض ادباء نے ان کو شعراء میں شمار کیا ہے۔ ۴۸۱ھ میں وفات پائی اور ہرات میں دفن ہوئے۔

ابو اسماعیل ہروی فقہ و اعتقاد میں حنبلی المسلک بزرگ تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ابن قیمؒ نے ان کی کتاب کو شرح کے لیے منتخب کیا اور اپنی اس شرح میں ان کا دفاع کیا ہے۔ اس کتاب میں ابن قیمؒ نے اصحابِ طریقت کے "مقامات" کا تفصیل سے جائزہ لیا۔ قرآن و سنّت کی میزان پر ان کا صحیح مفہوم اور ان کی قدر و قیمت متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ اہل تصوّف کے اشغال و احوال اور ان کی اصطلاحات کو اس معیار پر جانچا ہے۔ اور جا بجا ان کی "شطحیات"[1] کی نشان دہی کی ہے۔

ابن قیمؒ نے بار بار اس اصول کا اعادہ کیا ہے کہ کسی شخص کے ذوق و وجدان اور کشف و حال کو، خواہ وہ کتنا ہی بڑا شخص کیوں نہ ہو، نصوصِ وحی پر حکم نہیں بنایا جا سکتا۔ جب بھی قرآن و سنت اور صاحبِ کشف کے وجد و حال میں تعارض واقع ہو گا تو قرآن و سنت کی نصوص کو مقدم رکھا جائے گا۔ دراصل ان کا یہی اصول اُن کے پورے فکر کی منہاج ہے۔ اور تمام عمر اسی اصول کی سربلندی کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔

پوری کتاب میں حافظ ابن قیمؒ رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام ابو اسماعیل ہروی کا دفاع کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ تصوّف کے موضوع پر ابن قیمؒ کی تحریروں خاص طور پر "مدارج السالکین" کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اربابِ طریقت کی اصطلاحات اور تصوّف کے اسرار و رموز اور اُن کے اشارات پر کامل عبور رکھتے تھے۔ انہیں صوفیاء پر گذرنے والی واردات و احوال کا کامل ادراک تھا۔ ابنِ تیمیہؒ و ابنِ قیمؒ اور متصوفین کے درمیان جو چیز نقطۂ اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ متصوفین کے نزدیک سلوک کی انتہا فنا اور وصلِ الٰہی ہے، جبکہ ابنِ تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کے نزدیک سالک کی منزل بقا اور رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ اس تنقید کی پاداش میں ابن قیمؒ کو اپنے استاد کے ساتھ قید و بند کے علاوہ دیگر بہت سی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔

ابنِ قیمؒ بحیثیت ایک شاعر بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں کہ علامہ ابن قیمؒ صرف ایک محدّث، فقیہ اور قانون دان ہی نہ تھے۔ شاعر بھی تھے۔ ان کی شاعری دینی موضوعات کے گرد گھومتی ہے۔ ان کے دو قصیدے بہت مشہور ہیں جن میں ایک قصیدہ "نونیہ" ہے اور دوسرا قصیدہ "میمیہ" ہے۔ دونوں بہت طویل قصیدے ہیں۔ دونوں میں سے قصیدہ نونیہ زیادہ مشہور ہے۔ ان کے شاگرد یہ قصیدہ ان سے باقاعدہ سبقاً پڑھا کرتے

[1] حافظ ابن قیمؒ نے "مدارج السالکین" میں اہل تصوّف کی لغزشوں کے لیے یہی لفظ استعمال کیا ہے۔

تھے۔ چنانچہ علامہ ابن رجب ؒ نے " الذیل علی طبقات الحنابلۃ " میں اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے علامہ ابن قیم سے قصیدہ نونیہ کی سماعت کی ہے ۔ یہ قصیدہ بحر کامل میں ہے اور اس کا موضوع احیائے سنتِ نبویؐ ہے۔ احیائے سنّت درحقیقت احیا و تجدیدِ دین ہے۔ ان نامساعد حالات میں جب کہ دین کا نام لینا ہی آگ کے انگارے ہاتھ میں پکڑنے سے کم نہ ہو تجدید و احیائے دین کا کام ایک عظیم کام ہے۔ یہ کام کرنے والے لوگ مقامِ عزیمت پر فائز ہوتے ہیں۔ یہ صدّیقین کا مقام ہے۔ قصیدہ نونیہ کی شرح ڈاکٹر محمد خلیل ہرّاس نے لکھی ہے جو ضخیم جلدوں میں پھیلی ہوئی ہے۔

ابنِ قیمؒ اور تحریمِ حیل شارع جب کسی مقصد کے حصول کو لازم قرار دیتا ہے تو اس مقصد کے حصول کے تمام اسباب کو مشروع ٹھہرا دیتا ہے۔ اسی طرح جب وہ کسی امر کو حرام قرار دیتا ہے تو اُن تمام ذرائع اور راستوں کو مسدود کر دیتا ہے جن کو اختیار کر کے اس حرام میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو، خواہ یہ ذرائع فی نفسہ مباح ہی کیوں نہ ہوں۔ اس روک تھام کے لیے فقہِ اسلامی میں " سدِّ ذرائع " کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ یہ اصول اسلامی قانون کی ہمہ گیری اور اس کے مؤثر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ اسلامی قانون شکنی کے چور دروازوں کا مؤثر طور پر سدِّباب کرتی ہے۔ اس کے باوجود بعض لوگوں نے ایسے حیلے ایجاد کر لیے تھے، جن کے ذریعے محرمات کو حلال کر لیا یا فرائض کی ادائیگی سے پہلو تہی کی۔ درحقیقت حرام کے ارتکاب کے لیے حیلہ جوئی سدِّ ذرائع کے منافی ہے۔ حیلہ ساز ان امور کا مرتکب ہوتا ہے جو بظاہر جائز اور حلال ہوتے ہیں۔ مگر اس کے پسِ پردہ ارتکابِ حرام کا فاسد ارادہ کارفرما ہوتا ہے۔

غالباً شروع ہی سے ان حیلوں کے مرتکب وہ لوگ رہے ہیں جن کے دلوں میں نفاق کا مرض تھا جو کسی نہ کسی طرح اسلامی احکام سے پہلو تہی کرتے تھے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں منافقین کا یہی وطیرہ رہا ہے۔ وہ اسلامی احکام سے بچنے کے لیے مختلف حیلوں کا سہارا لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنّت میں ایسی بہت سی نصوص ملتی ہیں جن کے ذریعے ان حیلوں کا سدِّباب کیا گیا ہے۔ پھر خلفائے راشدین اور فقہائے اُمّت رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے احکامات اور فتووں کے ذریعے اِن تمام دروازوں کو بند کر دیا جن میں داخل ہو کر اسلامی قانون کو پامال کرنے کا شرعی جواز پیدا کیا جا سکتا تھا۔

چوتھی صدی ہجری کے بعد جہاں علمی تحقیق اور اجتہاد جمود اور تقلید کا شکار ہوئے وہاں مختلف حیلوں بہانوں سے اسلامی قانون کی اصلی روح بھی پامال ہونے سے نہ بچ سکی۔ فقہائے متقدمین اگرچہ اجتہاد کا دروازہ بند کر چکے تھے۔ تاہم اُن میں ایسے لوگ بھی تھے جو ائمہ فقہ کے اصولوں پر ایسی فروعات کا استنباط کر سکتے تھے۔ جن کے ذریعے کسی فرض کی ادائیگی سے بچا جاسکتا ہو یا شارع کے کسی حرام کردہ امر کو حلال ٹھہرایا جاسکتا ہو۔ ابن قیمؒ کے زمانے میں اِن حیلوں کا بہت زور تھا۔ علمائے سُوء، امراء و وزراء کے لیے ایسے حیلے تلاش کرنے میں مصروف رہتے تھے جن کے ذریعے وہ اسلامی فرائض کی ادائیگی سے بچ سکیں۔ اس قسم کے حیلے آپ کو متاخرین کی فقیہات اور اُن کے فتاویٰ میں بکثرت ملیں گے۔ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ (قدس سرہما) نے جہاں دیگر بدعات کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا وہاں ان حیلوں کا بھی مکمل تجزیہ کیا ہے جن کے ذریعے بیمار ذہنیت رکھنے والے لوگ امر و نہی سے بچنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن قیمؒ نے "سدِ ذرائع" اور "تحریمِ حِیَل" پر عمدہ بحث کی ہے۔ سدِ ذرائع کے اصول کی افادیت کو واضح کیا ہے انہوں نے اپنی دیگر کتب کے علاوہ "اغاثة اللهفان من مصائد الشيطان" میں تحریمِ حِیَل پر قلم اٹھایا ہے۔ مگر انہوں نے "اعلام الموقعین" میں تحریمِ حِیَل اور سدِ ذرائع پر جو بحث کی ہے وہ بہت نفیس اور مفصّل ہے جو تین سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ ابن قیمؒ نے ساتھ ہی ساتھ مفتی حضرات کو نصیحت کی ہے کہ وہ فتویٰ دیتے وقت حِیَل محرمہ یا مکروہہ کا تتبع نہ کریں اور رخصتیں تلاش کرنے سے باز رہیں۔

ابن قیمؒ، حریتِ فکر اور اجتہاد | رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ اعجاز تھا کہ وہ قوم جو فکر و خیال میں کسی دوسرے شخص کی اتباع کے قریب بھی نہ جاتی تھی، اب ادنیٰ سے ادنیٰ بات میں بھی آپ کی راہ نمائی کی متلاشی تھی۔ یہاں تک کہ صرف چند برسوں میں اس قوم کے ذہن میں قرآن کا سکھایا ہوا یہ عقیدہ پوری طرح راسخ ہو گیا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اتباع و تقلید کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ قومیں جو اپنے فکر کو کسی نقطہ ارتکاز سے مربوط رکھے بغیر آزادئ فکر کا دعویٰ کرتی ہیں وہ فکری انتشار کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اور اُن کی یہ فکری آزادی نوعِ انسانی کو فائدہ دینے کی بجائے مزید تشتّت و افتراق کا باعث بنتی ہے۔

مسلمانوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سوا کسی شخص کو یہ مقام نہیں دیا کہ وہ تنقید سے بالاتر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں صحابہ کرامؓ نئے پیش آنے والے ہر مسئلہ میں آپ کی راہ نمائی حاصل کرتے تھے۔ آپؐ کے بعد صحابہ کرام جیسے نفوسِ قدسیہ نے قرآن و سنت کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل پر غور و فکر کیا اور مسلمانوں کی راہ نمائی کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے شاگردوں کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی جو دینی مسائل میں مسلمانوں کی راہ نمائی کر سکتی تھی۔ ان سب کا سرچشمۂ استنباط قرآن و سنت کی ہدایت تھی۔ دوسری صدی ہجری میں جب علما نے تتبع اور استقصا کے بعد فقہ کی تدوین شروع کی تو اُن کی فقہیات پر قرآن و سنت سے ماخوذ ہونے کے باوجود اپنے اپنے شہر اور حلقۂ درس کی گہری چھاپ تھی۔ بایں ہمہ ان کا فکر آزادی کی فضاؤں میں محوِ پرواز تھا۔ اس لیے جب ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کی آرا کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان میں اصولِ استنباط پر اتفاق ہونے کے باوجود ہمیں اُن کے استنباطات میں واضح اختلاف نظر آتا ہے۔ یہ چیز اُن کی فکری آزادی پر بیّن ثبوت ہے۔ یہ چیز اس حقیقت پر بھی دلالت کرتی ہے کہ شاگرد اپنے استاد کے فکر کے پرچم کو بلند رکھنے کے باوجود اُن کے محض مقلد نہ تھے۔ یہی حالت مدینہ کے مکتبِ فکر کی تھی۔ لیکن دوسری صدی کے اواخر تک تقلیدی رُجحان کی ابتدا ہو چکی تھی۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ اپنے اپنے حلقۂ دراست سے متعلق ہونے کی وجہ سے علما میں ایک ہلکی سی، مگر فطری انداز کی عصبیت موجود تھی جیسی آج بھی جدید جامعات کے طلبہ اپنی اپنی جامعات اور اپنے اپنے اساتذہ کے لیے رکھتے ہیں۔

اُس زمانہ میں امام شافعیؒ نے استنباط کو تقلید کی پرچھائیں سے بچانے کے لیے بہت جدّ و جہد کی۔ تتبع اور استقرا کے بعد اصولِ استنباط منضبط کیے۔ شرائطِ اجتہاد کو منقّح کیا۔ قیاس کی افادیت اور اس کے شرعی دلیل ہونے کی حیثیت کو دلائل سے واضح کیا۔ اہلِ مدینہ اور اہلِ عراق کے بعض ان اصولوں پر کڑی تنقید کی جن سے قرآن و سنت کی بعض واضح نصوص کا ابطال ہوتا تھا۔ اور ان اصولوں کی وجہ سے تقلید کی طرف رجحان بڑھتا تھا۔ امام شافعیؒ کی تنقیحات سے استنباط کی منہاج متعین اور واضح ہو گئی۔ امام شافعیؒ نے اپنی تصنیفات خاص طور پر "کتاب الرسالۃ" اور "اختلاف الحدیث" میں قیاس اور اجتہاد پر مدلّل بحث کی ہے۔ اس کے مطالعے سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اُس زمانے میں قیاس کا انکار کرنے والے علما موجود تھے۔ یہ علما زیادہ تر محدثین کے طبقے سے تعلّق رکھتے تھے۔ یہ حضرات تقلید کا سختی سے انکار کرتے تھے اور اجتہاد کے داعی تھے۔

چنانچہ داؤدؒ[1] بن علی ظاہریؒ اور اُن کے فرزند ابو بکر محمد بن داؤد ظاہری نے اس شدّ و مد سے قیاس کا انکار کیا کہ اس کی صدائے بازگشت اندلس کے دبستانوں تک سنائی دینے لگی اور اُن کا نظریۂ آزادئ اجتہاد اور انکارِ قیاس بقیؒ[2] بن مخلّد اور ابو عبداللہ محمد[3] بن وضّاح جیسے علماء کے ذریعے اندلس تک بھی جا پہنچا۔ اور اس دعوت کو اصبغ بن حباب، قاسم[4] بن اصبغ، محمد بن بقیؒ، محمد بن عبدالسلام الخشنیؒ اور ابن زنباعؒ[5] جیسے علماء نے عام کیا۔ یہ تمام علماء اگرچہ قیاس کا انکار کرتے تھے، تاہم حریّت لئے

---

[1] ابو سلیمان داؤد بن علی ظاہریؒ فقہ ظاہری کے بانی تھے۔ ۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے امام ابو ثورؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ اور امام شافعیؒ کے دیگر تلامذہ سے اکتسابِ علم کیا۔ امام احمدؒ سے شرفِ تلمذ حاصل کرنا چاہتے تھے مگر امام احمدؒ نے ان سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا، کیونکہ امام داؤدؒ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل تھے۔ امام داؤد قیاس کے سخت مخالف تھے، مگر اجتہاد کرتے تھے۔

[2] حافظ ابو عبدالرحمٰن بقیؒ بن مخلّدؒ اندلس میں پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کی خاطر بلادِ مشرق میں امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے۔ انہوں نے ابو بکر ابن ابی شیبہؒ اور دیگر علماء سے بھی حدیث سُنی۔ پھر واپس اندلس چلے گئے۔ وہ امام احمدؒ کے خاص شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں، جیسا کہ قاضی ابن ابو یعلیٰ نے "طبقات الحنابلہ" میں لکھا ہے۔ بقی بن مخلد مجتہد تھے۔ وہ کسی کی تقلید نہ کرتے تھے۔ ۲۷۶ھ میں فوت ہوئے۔

[3] ابو عبداللہ محمد بن وضاحؒ، امام بقی بن مخلد کے ہم عصر تھے۔ انہوں نے بھی تحصیلِ علم کی خاطر بلادِ مشرق کا سفر کیا۔ دونوں ائمہ، قرطبہ میں رہائش پذیر تھے۔ محمد بن وضاح بھی امام بقی بن مخلد کی طرح آزادئ فکر کے حامی اور اس کے علمبردار تھے۔ ۲۸۶ھ میں وفات پائی۔

[4] قاسم بن اصبغ اندلس کے نامور علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے بقی بن مخلدؒ اور محمد بن وضّاح سے علم حاصل کیا۔ اندلس میں اجتہاد اور آزادئ فکر کے پرچم کو تھامے رکھا۔ علومِ حدیث کی اشاعت میں کوشاں رہے۔ انہوں نے بلادِ مشرق کا علمی سفر بھی کیا۔ ۳۴۰ھ میں وفات پائی۔

[5] حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اصبغ بن الحباب، محمد بن بقی، محمد بن عبدالسلام الخشنی اور ابن زنباع رحمہم اللہ کو شاندار الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ ان کو اہلِ فنونؒ، فقہائے قرطبہ اور شیوخِ قرطبہ کے القاب سے یاد کیا ہے۔ علامہ ابن زنباعؒ کے لیے شیخِ ہدیٰ اور محمد بن عبدالسلام کے لیے فقیہِ عصر (باقی بر صفحہ آئندہ)

اور اجتہاد کی ضرورت کے قائل تھے۔

چوتھی صدی ہجری کے بعد علماء نے اجتہاد کا دروازہ بند کر لیا اور اپنے اپنے مکتب فکر کی چار دیواری میں محصور ہو کر بیٹھ گئے۔ اب اجتہاد کا دروازہ کھولنا حرام ٹھہرا۔ فقہائے مقلدین نے اجتہاد تو کجا، تبدیلی مسلک تک کو قابلِ تعزیر جرم ٹھہرایا۔ عجیب بات ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند کرنے میں وہ علماء پیش پیش تھے جنہوں نے بڑی شد و مد سے قیاس کی افادیت کو ثابت کیا تھا اور جن کے استنباط پر قیاس کا عنصر غالب تھا۔ حالانکہ قیاس اور اجتہاد کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس کے ردِّ عمل میں قیاس کا انکار بڑھتا گیا۔ اندلس میں انکارِ قیاس، ظاہریت اور آزادیٔ اجتہاد کو ابن حزمؒ جیسے جہابذہ میسر آگئے۔ لیکن بلادِ مشرق میں انکارِ قیاس اور ظاہریت کو قاضی ابو یعلی محمد بن الحسین[1] الفراء کی وجہ سے رخصت ہونا پڑا۔ تاہم اجتہاد کے حق میں اور تقلید جامد کے خلاف آوازیں بلند ہوتی چلی گئیں۔ امام داؤد ظاہریؒ اور امام ابن حزمؒ نے تقلید جامد کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے، مگر علمبرداران انکارِ قیاس کی آراء، قلم کی سختی اور بعض دیگر وجوہات کی بنا پر علماء میں مقبول نہ ہو سکیں۔ اکثریت اُن کی مخالف رہی۔ بایں ہمہ تقلید کے خلاف لکھا جانے لگا۔ علامہ عز الدین ابن[2] عبد السلام اور

(حاشیہ صفحہ سابقہ) کے لفظ استعمال کیے ہیں۔ ان کی آراء کا اہل ظاہر کی آراء سے علیحدہ طور پر ذکر کیا ہے۔

(اغاثۃ اللھفان جلد ۱)

[1] ابو یعلی احمد بن الحسین بن محمد بغدادی ۳۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ فقہ و اعتقاد میں حنبلی المسلک تھے۔ چنانچہ صفات باری تعالیٰ میں وہی مسلک تھا جو سلف کا تھا۔ یعنی صفات پر بغیر تشبیہ اور بغیر تعطیل و تاویل ایمان رکھنا امام احمدؒ کے مذہب کی توضیح و تائید میں اُن کا کوئی ہم پلّہ نہیں۔ البتہ حدیث میں قابلِ وثوق نہیں ہیں۔ ۴۵۸ھ میں وفات پائی۔ بہت سی کتابوں کے مصنّف ہیں جن میں "الاحکام السلطانیہ" مشہور ہے۔

[2] شیخ عز الدین ابو محمد عبد العزیز بن عبد السلام السلمی الدمشقی ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے کے بہت سے علماء سے علم حاصل کیا۔ ابن عبد السلام متعدد علوم کے ماہر تھے۔ اصول و فروع پر بہت سی کتابوں کے مصنّف ہیں۔ دمشق اور مصر کے مدارس میں درس دیتے تھے۔ بڑے جید اور محقق عالم اور رتبۂ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ ۶۶۰ھ میں وفات پائی۔

علامہ ابن دقیق العید[1] بھی ان علماء میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے تقلیدِ شخصی کے خلاف آواز اُٹھائی۔

ابنِ تیمیہؒ اور ابنِ قیمؒ نے آکر حریّتِ فکر کے پرچم کو تھاما۔ انہوں نے نہ صرف یہ دعویٰ کیا کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا بلکہ انہوں نے عمداً اجتہاد کر کے دکھایا اور بعض بہت اہم مسائل پر جمہور علماء کے مسلک کے خلاف اپنی مجتہدانہ رائے کا اظہار کیا اور علمائے سُوء کی دشمنی مُول لی۔ اس میدان میں ابن قیمؒ اپنے عظیم اُستاد کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ اُن کی تحریریں حریت فکر کی حامل ہیں۔ انہوں نے تقلید کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ یہ مواد جابجا اُن کی تقریباً تمام تحریروں میں بکھرا ہوا ملے گا۔ لیکن انہوں نے "اعلام الموقعین" میں تقلید و اجتہاد پر نہایت تفصیل سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ اجتہاد کے لیے اُن شرائط کو پورا کرنے پر زور دیا ہے جن کے بغیر اجتہاد و استنباط بازیچۂ اطفال بن کر رہ جاتا ہے۔ سلف میں بقول احمد محمد شاکر مرحوم ان شرائط کو امام شافعی سے زیادہ بہتر طریقے سے کسی نے منضبط نہیں کیا۔ ابنِ تیمیہؒ اور ابنِ قیمؒ کے بعد اسلامی دُنیا کے ہر کونے سے حریّت فکر اور اجتہاد کی بازگشت سُنائی دینے لگی۔ بعد میں آنے والی دُنیا کی ہر اسلامی تحریک خواہ وہ نجد سے اُٹھی ہو یا ہندوستان سے، افریقہ میں برپا ہوئی ہو یا مصر یا پاکستان میں، اس نے واضح طور پر ابنِ تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کے افکار سے راہ نمائی حاصل کی ہے۔

چنانچہ اجتہاد کے حق میں اور فکری جمود اور تقلید کے خلاف محمد بن عبدالوہاب[2] نجدیؒ،

---

[1] تقی الدین ابو الفتح محمد بن وہب المصری القشیری جو ابن دقیق العید کے نام سے مشہور ہیں۔ حجاز میں مدینہ کے ایک ساحلی گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کا سنِ ولادت ۶۲۵ھ ہے۔ قوص کے مقام پر پرورش پائی اور وہیں حصولِ علم کی ابتداء کی۔ پھر قاہرہ جا کر علامہ عز الدین ابنِ عبدالسلام کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اُن سے فقہ اور اصولِ فقہ کا علم حاصل کیا۔ ابن دقیق العید کا شمار محققین اور حفاظِ حدیث میں ہوتا ہے۔ آپ کو عللِ حدیث کی معرفت کا ملکہ تھا۔ تھا۔ اس میدان میں ان کا کوئی ہم پلّہ نہ تھا۔ بہت سی کتابوں کے مصنّف ہیں جن میں "الاقتراح فی معرفة الاصطلاح" اور "الامام" مشہور ہیں۔

[2] شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی ۱۱۱۲ھ میں نجد میں عُیَینَہ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

محمد بن اسماعیل صنعانیؒ[1]، امام شاہ ولی اللہؒ[2]، امام شوکانیؒ[3]، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ[4]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی جو عیینہ کے قاضی تھے۔ پھر خود مطالعہ شروع کر دیا۔ حج کرنے گئے تو وہاں سے مدینہ منورہ پہنچے، وہاں سے عبداللہ بن ابراہیم بن سیف اور علامہ محمد حیات سندی سے علم حدیث حاصل کیا۔ مسلمانوں میں شرک و بدعات کو دیکھ کر بہت ہی کڑھتے تھے۔ مدینہ سے فارغ ہو کر آپ بصرہ آئے اور شیخ محمدؒ مجموعی سے علم حاصل کیا۔ اور یہیں سے آپ نے اصلاح کی تحریک شروع کی۔

[1] امام محمدؒ بن اسماعیل بن صلاح کحلانی صنعانی ۱۰۵۹ھ میں کحلان (یمن) کے مقام پر پیدا ہوئے۔ صنعاء جا کر وہاں سے اہل علم سے اکتساب علم کیا، پھر حرمین گئے۔ اور وہاں کے علماء سے حدیث کی سند لی۔ تقلید کی سختی سے مخالفت کی اور اجتہاد کا دعوےٰ کیا۔ اس طرح انہیں علماء کی دشمنی کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں "سبل السلام" شرح بلوغ المرام بہت مشہور ہے۔

[2] شاہ ولی اللہؒ ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم سے حاصل کی، اور انہی کے ہاتھ پر سلسلہ نقشبندی کے طریقہ پر بیعت کی۔ والد ماجد کی وفات پر حج کے لیے تشریف لے گئے۔ وہیں سے حدیث کی سند لی۔ شاہ ولی اللہؒ ہندوستان میں اسلامی نشاۃ الثانیہ کے نقیب ہیں۔ انہوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کو اسلام کی حقیقی روح سے روشناس کرایا۔

[3] امام محمدؒ بن علی بن محمد الشوکانی صنعانی ۱۱۷۲ھ میں یمن میں بمقام شوکان پیدا ہوئے۔ صنعاء میں پرورش پائی۔ انہوں نے اپنے زمانے کے بڑے بڑے علماء سے مختلف علوم حاصل کیے۔ ابتداء میں امام زید کی فقہ سیکھی، لیکن بعد میں تقلید کا سختی سے انکار کیا۔ الٰہیات میں سلفی المشرب تھے۔ تقلید کے خلاف بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ علاوہ ازیں بہت سی کتابیں مختلف موضوعات پر سپرد قلم کیں۔ نیل الاوطار، فتح القدیر اور ارشاد الفحول بہت مشہور اور متداول ہیں۔

[4] شاہ اسماعیل شہیدؒ، شاہ ولی اللہ کے پوتے تھے۔ سید احمد شہید کے ساتھ مل کر حکومت الٰہیہ کی تحریک برپا کی۔ سکھوں کے خلاف جہاد کیا۔ ۱۲۴۶ھ سکھوں کے خلاف لڑتے ہوئے بالاکوٹ کے مقام پر شہید ہوئے۔ عبقات، تقویۃ الایمان اور منصب امامت ان کی مشہور کتابیں ہیں۔

سیّد نذیر حسین[1] دہلوی رح، علامہ محمد عبدہ[2] رح، علامہ سید رشید رضا[3] رح، علامہ احمد محمد شاکر[4] رح، علامہ اقبال[5] رح اور مفکر اسلام[6] سید ابو الاعلیٰ مودودی مدظلہ العالی کی کاوشیں نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ عصرِ حاضر میں تقریباً تمام اہل علم اجتہاد کی ضرورت پر متفق ہیں۔

ابن قیم رح کی تصنیفات علامہ ابن قیم رح نے ہر موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور ہر موضوع پر قاری کو اپنی مہارت، وسعتِ معلومات، فکر کی گہرائی اور دقیقہ رسی کا قائل کر لیتے ہیں۔ جس فن پر قلم اٹھاتے ہیں یوں محسوس

---

[1] سیّد جوّاد کے بیٹے سیّد نذیر حسین رح ہندوستان کے صوبہ بہار میں تقریباً ۱۲۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ ۱۲۳۶ھ میں تحصیلِ علم کے لیے دہلی روانہ ہوئے۔ ۱۲۴۳ھ میں دہلی پہنچے۔ راستے میں پٹنہ کے مقام پر امیر المومنین سیّد احمد شہید رح کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ دہلی پہنچ کر خانوادۂ ولی اللہ سے بالواسطہ علم حاصل کیا۔ شاہ عبدالعزیز کے نواسے شاہ محمد اسحاق رح سے بلاواسطہ اکتسابِ علم کیا۔ دہلی میں تقریباً ۶۰ برس تک تشنگانِ علم کی پیاس بجھاتے رہے۔ پاک و ہند کے تمام اہل حدیث علماء بلاواسطہ یا بالواسطہ انہی کے شاگرد ہیں۔ اس لیے شیخ الکل کے لقب سے مشہور ہیں۔ ۱۳۲۰ھ بمطابق ۱۹۰۲ء وفات پائی۔

[2] شیخ محمد عبدہ ۱۸۴۸ء میں پیدا ہوئے۔ سیّد جمال الدین افغانی رح کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے۔ اپنے خیالات میں حریّت فکر کے حامی ہیں۔ تفسیر قرآن پر ان کے لیکچر بہت مشہور ہیں۔ ۱۳۲۳ھ بمطابق ۱۹۰۵ء وفات پائی۔

[3] سیّد محمد رشید رضا ۱۲۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔ طرابلس (شام) میں پرورش پائی۔ محمد عبدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہی کے ہو کر رہ گئے۔ شیخ محمد عبدہ کے تفسیری لیکچروں کو محفوظ کیا۔ ان کے نظریات کی منہاج وہی ہے جو محمد عبدہ کی تھی۔ بہت سے مسائل میں جمہور اُمت کی راہ سے ہٹ گئے تھے۔ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء فوت ہوئے۔

[4] علامہ احمد محمد شاکر نے مصر میں علومِ حدیث کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بہت سی قدیم کتابوں کو تحقیق و حاشیہ کے ساتھ شائع کیا۔ مسند امام احمد کی شرح اور تبویب ان کا بہت ہی قابلِ قدر کام ہے۔

[5] علامہ اقبال جنہوں نے اسلام کی نشاۃ الثانیہ کے لیے بہت کام کیا، اجتہاد اور اس کی ضرورت کے موضوع پر ان کا لیکچر "الاجتہاد فی الاسلام" بہت مشہور ہے۔

[6] سیّد ابو الاعلیٰ مودودی مدظلہ العالی نے اجتہاد کی ضرورت پر بہت کچھ لکھا ہے جو ان کی مختلف تصنیفات میں بکھرا ہوا ہے۔

ہوتا ہے کہ گویا وہ اسی فن کے ماہر ہیں۔ انہوں نے زیادہ تر اسی فقہی اور قانونی تحقیقات، عقائد، فلسفہ، سیاسی آراء اور تاریخ و حدیث کے متعلق تنقید و توضیح اور تصدیق پر نہایت شرح و بسط سے لکھا ہے۔ نہایت دقیق رسی سے زائغین و محرفین کے الحاد و تحریف اور تاویلِ باطل کی نشاندہی کی ہے۔ علامہ ابن قیمؒ کی ذات ایک مکمل دائرۃ المعارف تھی۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر بہت سی تصانیف چھوڑی ہیں۔ جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ تحقیقی قدر و قیمت کی حامل ہے۔ اُن کی بیشتر کتابیں شائع ہو کر اہلِ علم سے دادِ تحسین وصول کر چکی ہیں۔ ان میں سے چند مشہور اور قابلِ قدر کتابوں کا تعارف قاری کے لیے فائدے کا حامل ہو گا۔

۱۔ اَعلامُ الموقِّعین علامہ ابن قدامہؒ[۱] کی مشہور کتاب "المغنی" اور امام ابن حزمؒ اندلسی کی کتاب "المحلّٰی" کے متعلق علامہ عزالدین ابن عبدالسلامؒ کا یہ قول بہت مشہور ہے۔

"اسلام کی کتابوں میں ابن حزم کی "محلّٰی" اور شیخ موفق الدین (ابن قدامہ) کی "المغنی" سے بڑھ کر کوئی کتاب جودتِ فکر اور تحقیقِ مطالب کے اعتبار سے میری نظر سے نہیں گذری۔"

جب کبھی امام ابن قیمؒ کی "اعلام الموقعین" علامہ ابو اسحاق الشاطبیؒ[۲] کی "الموافقات" اور امام شاہ ولی اللہؒ کی "حجۃ اللہ البالغۃ" کو دیکھنے کا موقع ملتا ہے تو مجھے علامہ ابن عبدالسلام کا مذکورہ بالا قول یاد آ جاتا ہے۔ جس طرح فقہ اسلام میں یہ دونوں کتابیں "جودت فکر" اور "تحقیق مطالب" کی حامل اور فقہائے اسلام کی آراء کا دائرۂ معارف ہیں اور کسی بھی دور میں مسلمان قانون دان ان دو کتابوں سے

---

[۱] موفق الدین ابو محمدؒ عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ ۵۴۱ھ میں جماعیل کے مقام پر پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر میں ہجرت کر کے دمشق چلے گئے۔ ۵۶۰ھ میں بغداد جا کر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، ہبۃ اللہ اور الباجسراوی جیسے علماء سے اکتسابِ علم کیا۔ ۶۲۰ھ میں وفات پائی۔ پچاس کے لگ بھگ کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان میں سے "المغنی" بہت مشہور ہے۔ اہلِ علم نے اس کی بہت تعریف کی ہے۔

[۲] ابو اسحاق ابراہیمؒ بن موسیٰ بن محمد لخمی، غرناطی، شاطبی اندلس میں پیدا ہوئے۔ اندلس کے جید اہلِ علم سے اکتسابِ علم کیا۔ ۱۳۸۸ء مطابق ۷۹۰ھ وفات پائی۔ "الاعتصام" اور "الموافقات" ان کی بہت مشہور کتابیں ہیں۔

مستغنی نہیں رہ سکتے اسی طرح مؤخر الذکر تینوں کتابیں اصولِ فقہ اور حکمتِ دین کی تفہیم میں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ ان تینوں کتابوں میں اَعلامُ المُوَقعین منفردم ہے۔ اس کے مطالعے سے احکام دین میں پوشیدہ حکمتیں اور مصلحتیں واضح ہوتی ہیں۔ یہ معرکۃ الآرا کتاب مصر میں کئی بار چھپ چکی ہے۔ ہندوستان میں آج سے بہت عرصہ پہلے (۱۳۱۳ھ) دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ مولانا محمد سورتیؒ نے "دین محمدی" کے نام سے اس کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ دہلی سے شائع ہوا۔ اب غالباً وہی ترجمہ مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانی کی تہذیب و تزئین کے بعد دوبارہ لاہور سے شائع ہوا ہے۔ اس لاثانی کتاب میں علامہ ابن قیمؒ نے امام احمد بن حنبل رضؓ کے اصولِ استنباط، بحثِ قیاس، تعلیلِ احکام، اسرارِ احکام اِفتاء کی شرائط، تغیر زمان و مکان کے ساتھ تغیرِ احکام، سدِّ ذرائع، تحریم حِیَل اور تقلید و اجتہاد کے علاوہ دیگر بہت سے مسائل کو موضوعِ قلم بنایا ہے۔

(باقی)

(بقیہ تعزیرات اسلام)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام "مَن قَتَلَ مُؤمِنًا خَطَاءً فَتَحرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ اِلٰی اَهلِهٖ" میں خطاب قاتل کو کیا گیا ہے، نہ کہ عاقلہ کو۔ یہ دلیل ہے کہ دیت ابتداءً قاتل پر واجب ہوتی ہے۔ پھر عاقلہ پر منتقل ہوتی ہے[1]۔

اور عاقلہ پر دیت اس لیے عائد کی جاتی ہے کہ قاتل درحقیقت اس پر بھروسہ کر کے جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور عاقلہ یعنی قاتل کی ہمدرد برادری اس کو برائی سے منع نہیں کرتی۔ یا یہ کہ انسدادِ جرائم کی مضبوط فضا بنانے کے لیے اپنے دائرے میں اس نے ذمہ داری ادا نہیں کی ــ ن۔ص)

(باقی)

---

[1] البدائع جلد ۷، ص ۲۵۵